۳۵

# رمضان میں تحریک جدید اور تحریک جدید میں رمضان سے فائدہ اٹھاؤ

(فرمودہ ۴ ؍نومبر ۱۹۳۸ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''اللہ تعالیٰ کے فضل نے پھر ہمیں وہ بابرکت مہینہ دکھایا ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ[1] کہ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اُترا ہے یا جس کے بارہ میں قرآن اُترا ہے۔ حدیثوں سے یہ امر ثابت ہے کہ ہر سال رمضان میں جبریل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے تھے اور آپ کے ساتھ تلاوتِ قرآن کیا کرتے تھے چنانچہ جس سال آپ کی وفات ہوئی آپ نے فرمایا کہ ہمیشہ جبریل رمضان میں ایک دفعہ میرے ساتھ تلاوت کیا کرتا تھا مگر اس دفعہ دو دفعہ اُس نے تلاوت کی ہے جس سے میں سمجھتا ہوں کہ میری وفات قریب ہے[2]۔

تو جب تک دنیا میں قرآن کریم کی خوبیوں کو تسلیم کرنے والے لوگ باقی ہیں، جب تک قرآن کریم کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہے اس وقت تک رمضان کی عظمت بھی لازمی طور پر قائم ہے اور دراصل جو مہینہ قرآنی برکات کے نزول کا موجب ہؤا ہے اُس کی قدر اور اُس کی عظمت کا اندازہ ہمارے دل لگا ہی نہیں سکتے۔ معمولی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو لوگ

عرصہ دراز تک یاد رکھتے ہیں۔عورتوں کو میں نے دیکھا ہے کہ ان کی ساری تاریخ بچوں کی پیدائش پر ختم ہو جاتی ہے، جب پوچھا جائے فلاں واقعہ کب ہؤا؟ تو کہیں گی فلاں بچہ کی پیدائش سے چار ماہ پہلے یا چار ماہ بعد۔گویا ان کے لئے دنیا کی تاریخ کا اندازہ ان کے بچوں کی پیدائش سے ہوتا ہے۔وہ بچے آگے کس حیثیت کے ہوتے ہیں یہ دوسرا امر ہے۔بعض دفعہ وہ اچھی حیثیت کے بھی مالک بن جاتے ہیں مگر بعض اوقات وہ اپنی زندگی سے بھی بیزار ہوتے ہیں، بھوکے مر رہے ہوتے ہیں، ان کی اولاد بھی بھوکی مر رہی ہوتی ہے، ان کی بیوی کو تن ڈھانکنے کے لئے کافی کپڑا بھی نہیں ملتا۔ان کے پاس کوئی مکان نہیں ہوتا جس میں وہ رہائش اختیار کر سکیں۔انہیں کوئی کام نہیں ملتا جس سے وہ اپنا گزارہ کر سکیں۔اور اگر کام ملتا ہے تو گزارے کے مطابق تنخواہ نہیں ملتی۔اور اگر کام کے لحاظ سے تنخواہ معقول ملتی ہے تو کھانے والے زیادہ ہوتے ہیں۔غرض ان کی زندگی تکلیف اور مصیبت کا ایک غیر متناہی سلسلہ ہوتی ہے مگر ایک ماں دنیا کے سارے کاموں کی بنیاد انہی کی پیدائش پر رکھتی ہے۔چاند گرہن اور سورج گرہن عالمِ سفلی کے اَدوار کا ایک عجیب کرشمہ ہیں اور اس عالم کے بڑے بڑے کَل پُرزوں کی رفتار سے تعلق رکھتے ہیں مگر وہ سورج گرہن اور چاند گرہن کو بھی اپنے بچوں کی پیدائش کے ساتھ ملا دیتی ہیں۔کہیں گی فلاں سورج گرہن اُس وقت ہؤا جب فلاں بچہ میرے پیٹ میں تھا یا فلاں چاند گرہن اُس وقت ہؤا جب میرا فلاں بچہ پیدا ہوا تھا یا اتنے مہینے اس کی پیدائش میں باقی تھے۔تو ان کی ساری دنیا ان کے بچوں میں ہی ہوتی ہے کیونکہ وہ بچے ان کے ہوتے ہیں۔پس اگر ایک عورت تمام دنیا کی تاریخ اپنے بچوں کے ذریعہ یاد رکھتی ہے تو ہمیں جس مہینے سے قرآن کا نور ملا اس کی عظمت اور شان کو پہچاننا اور اس کے انوار اور برکات کے حصول کے لئے بے تاب ہو جانا ہمارے لئے جس قدر ضروری ہے وہ ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

غرض رمضان اسلام اور ایمان کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور جس شخص کے دل میں بھی اسلام اور ایمان کی قدر ہوگی وہ اس مہینہ کے آتے ہی اپنے دل میں ایک خاص حرکت اور اپنے جسم میں ایک خاص قسم کی کپکپاہٹ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔کتنی ہی صدیاں ہمارے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان گزر جائیں، کتنے ہی سال ہمیں اَور

ان کو آپس میں جُدا کرتے چلے جائیں، کتنے ہی دنوں کا فاصلہ ہم میں اور ان میں حائل ہوتا چلا جائے لیکن جس وقت رمضان کا مہینہ آتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان صدیوں اور ان سالوں کو اس مہینہ نے لپیٹ لپاٹ کر چھوٹا سا کر کے رکھ دیا ہے اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئے ہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی قریب نہیں چونکہ قرآن خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہؤا ہے اس لئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام فاصلہ کو رمضان نے سمیٹ سماٹ کر ہمیں خدا تعالیٰ کے قریب پہنچا دیا ہے۔ وہ بُعد جو ایک انسان کو خدا سے ہوتا ہے، وہ بُعد جو ایک مخلوق کو اپنے خالق سے ہوتا ہے، وہ بُعد جو ایک کمزور اور نالائق ہستی کو زمین اور آسمان کے پیدا کرنے والے خدا سے ہوتا ہے وہ یوں سمٹ جاتا ہے اور وہ یوں غائب ہو جاتا ہے جیسے سورج کی کرنوں سے رات کا اندھیرا۔ یہی وہ حالت ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ [۳] جب رمضان کا مہینہ آئے اور میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں کہ میں انہیں کس طرح مل سکتا ہوں تو تُو انہیں کہہ دے رمضان اور خدا میں کوئی فرق نہیں۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں خدا اپنے بندوں کے لئے ظاہر ہؤا اور اس نے چاہا کہ پھر اپنے بندوں کو اپنے پاس کھینچ کر لے آئے اس کلام کے ذریعہ سے جو حَبْلُ اللّٰہ ہے۔ جو خُدا کا وہ رسّہ ہے جس کا ایک سِرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا مخلوق کے ہاتھ میں اب یہ بندوں کا کام ہے کہ وہ اس رسّہ پر چڑھ کر اپنے خدا کے پاس پہنچ جائیں۔ شاید عام طور پر رسّے پر چڑھنے کی قیمت کا اندازہ ہم لوگ نہیں کر سکتے لیکن جہازوں میں یہ اندازہ بہت اچھی طرح ہو سکتا ہے۔ جہازوں میں رسّی کی سیڑھیاں ایک لازمی چیز ہیں۔ جب جہاز کسی بندرگاہ پر پہنچتا ہے تو قانون کے مطابق جہاز کے کپتان کو یہ اجازت نہیں ہوتی کہ وہ بندرگاہ تک اس جہاز کو لے جائے وہ چند میل بندرگاہ کی حدود سے باہر جہاز کو کھڑا کر دیتا ہے اور بندرگاہ سے ایک پائلٹ آتا ہے جو بندرگاہ کے رازوں سے واقف ہوتا ہے۔ جب اس کی کشتی جہاز کے قریب پہنچتی ہے تو اوپر سے ایک رسّہ لٹکایا جاتا ہے جس کے ساتھ ایک سیڑھی ہوتی ہے وہ رسّہ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اس سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے اوپر چڑھ جاتا ہے۔ تو راستے کا صحیح مفہوم جو وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا [۴] میں بیان کیا گیا ہے اسے انسان جہاز میں اچھی طرح

سمجھ سکتا ہے کہ کس طرح رسّے وہاں سیڑھیوں کا کام دیتے ہیں۔ سو قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے رسّے کے طور پر لٹکایا اور فرمایا تم اس کو پکڑ کر اوپر چڑھ آؤ مگر دیکھنا! اکیلے نہ آنا بلکہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا باقیوں کو بھی لپیٹ لپاٹ کر اپنے ساتھ شامل کر لینا اور سب کی گٹھڑی باندھ کر ہمارے پاس لے آنا۔ گویا یہ ایک ایسا دعوت نامہ ہے جو کسی فرد سے مخصوص نہیں بلکہ تمام لوگوں کو اس میں شامل کیا گیا ہے۔ جیسے ایک دعوت نامہ تو یہ ہوتا ہے کہ فلاں وقت آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں اور کھانا تناول فرمائیں اور ایک دعوت نامہ یہ ہوتا ہے کہ فلاں وقت صرف آپ کی ہی نہیں بلکہ آپ کے بیوی بچوں اور ملازموں کی بھی دعوت ہے۔ سو قرآن وہ دعوت نامہ ہے کہ جس نے بھی اسے کھولا اس نے اس میں یہ لکھا ہؤا نہیں دیکھا کہ صرف تمہاری دعوت ہے بلکہ اس نے یہ لکھا ہؤا دیکھا کہ تمہاری اور تمہارے سب جاننے والوں کی دعوت ہے۔

غرض رمضان آتے ہی اللہ تعالیٰ کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ کر دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہاری طرف ایک رسّہ پھینکا گیا ہے جو آج بھی لٹک رہا ہے اور آج بھی اس بات کا موقع ہے کہ تم اس رسّہ کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاؤ۔

ابھی ایک دو دن ہوئے مجھے اس کے متعلق ایک عجیب کشفی نظارہ نظر آیا۔ میں سحری کے انتظار میں لیٹا ہؤا تھا کہ میں نے دیکھا جیسے پہاڑوں میں ٹنلز ہوتی ہیں اور ان میں بورنگ کر کے اندرونی طور پر ایک گول سا رستہ تیار کیا جاتا ہے اس طرح مجھے معلوم ہؤا کہ جوّ میں ایک گول رستہ بنا ہؤا ہے کہ جو تاگے کی رِیل کے اندرونی سوراخ سے مشابہہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ تاگے کی رِیل کا سوراخ چھوٹا ہوتا ہے مگر وہ سوراخ بڑا تھا۔ یا یوں سمجھ لو کہ جیسے آگ جلانے والی پھُکنی ہوتی ہے اور اس کے اندر ایک گول سا سوراخ ہوتا ہے جس سے آر پار نظر آ جاتا ہے اس طرح جوّ میں ایک گول رستہ بنا ہؤا ہے اور اس کے ایک طرف خدا تعالیٰ کی ذات بیٹھی ہے اور دوسری طرف میں بیٹھا ہوں اور اس میں مجھے اللہ تعالیٰ کا اس قدر قُرب معلوم ہوتا ہے کہ میرے اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے راز آپ ہی آپ کھُلتے چلے جا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی قطعی اور یقینی ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں اس کے

مقابلہ میں مشکوک اور مشتبہ نظر آتی ہیں۔ کئی منٹ تک برابر یہی کیفیت مجھ پر طاری رہی اور اس ٹنل کے ایک سرے پر بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ سے جو اُس کے دوسرے سرے پر بیٹھا تھا دل ہی دل میں مَیں باتیں کرتا رہا۔ اُس وقت کی کیفیت ایسی ہی تھی جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ سورج کی ذات میں شُبہ ہوسکتا ہے، زمین کے وجود میں شبہ ہوسکتا ہے، ہمیں اپنے وجود میں شُبہ ہوسکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ذات میں شُبہ نہیں ہوسکتا۔ اسی قسم کی باتیں میں نے اُس وقت اللہ تعالیٰ سے کیں اور اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تیرا وجود ایسا یقینی ہے اور ایسا شکوک کو دور کرنے والا۔ پھر تُو کیوں چھُپا ہؤا ہے اور کیوں میرے لئے اور اپنے دوسرے بندوں کے لئے کامل تجلی کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتا۔

جہاں تک مَیں سمجھتا ہوں اس کشف کا مفہوم وہی تھا جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ کہ دیکھو رمضان میں اللہ تعالیٰ بندے کے کتنے قریب ہو جاتا ہے۔ بہت دفعہ انسان غلطی سے اس قُرب کو محسوس نہیں کرتا جیسے پیٹھ کے پیچھے اگر بالکل قریب آ کر بھی کوئی شخص بیٹھ جائے تو انسان معلوم نہیں کرسکتا کہ میرے پیچھے کوئی بیٹھا ہؤا ہے لیکن اگر اس کا مُنہ اس کی طرف پھیر دیا جائے تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ کوئی شخص میرے کتنے قریب بیٹھا ہؤا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ٹنل کا نظارہ دکھا کر مجھ پر ظاہر فرمایا کہ اگر ہم پَردہ دُور کر دیں تو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو کہ ہم تمہارے کتنے قریب ہیں مگر چونکہ خدا تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان ایک پردہ پڑا ہؤا ہے لوگ اس لئے اس بات کو سرسری نگاہ سے دیکھنے کے عادی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے قُرب کو محسوس نہیں کرتے۔ تو رمضان اپنے ساتھ بہت سی برکات لاتا ہے اور اس میں خدا اپنے بندے کے قریب آ جاتا ہے اور گو وہ برکات جو رمضان اپنے ساتھ لاتا ہے بہت سی ہیں مگر میں اِس وقت چار امور کی طرف احباب کو خصوصیت کے ساتھ توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

اوّل رمضان میں انسان کو نیکی کی مشقت کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ دنیا میں انسان محنتیں کرتا ہے اور آوارگی بھی کرتا ہے۔ جو آوارہ لوگ ہوتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی طرح کام میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ چاہے وہ گپیں ہانکتے ہوں پھر بھی یہ ایک کام تو ہے۔ چاہے وہ

اِدھر اُدھر پھرتے ہوں پھر بھی وہ ایک کام تو کر رہے ہوتے ہیں بالکل فارغ نہ انسانی دماغ رہتا ہے اور نہ جسم، کچھ نہ کچھ کام انسان ضرور کرتا رہتا ہے۔ مگر بعض لغو کام ہوتے ہیں، بعض مُضِر، بعض مفید کام ہوتے ہیں اور بعض بہت ہی اچھے۔ تو رمضان انسان کو ایک ایسے کام کی عادت ڈالتا ہے جس کے نتیجہ میں نیک کاموں میں مشقّت برداشت کرنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔

انسانی زندگی کی راحت اور آرام کی چیزیں کیا ہوتی ہیں یہی کھانا، پینا، سونا اور جنسی تعلقات۔ تمدن کا اعلیٰ نمونہ جنسی تعلقات ہیں جس میں دوستوں سے ملنا اور عزیزوں سے گفتگو کرنا بھی شامل ہے مگر جنسی تعلقات میں سب سے زیادہ قریبی تعلق میاں بیوی کا ہے۔ پس انسانی آرام انہی چند باتوں پر منحصر ہے کہ وہ کھاتا ہے، پیتا ہے، سوتا ہے اور جنسی تعلقات قائم رکھتا ہے۔ کسی صوفی نے کہا ہے کہ تصوف کی جان کم بولنا، کم کھانا اور کم سونا ہے اور رمضان اس تصوف کی ساری جان کا نچوڑ اپنے اندر رکھتا ہے۔ کم سونا آپ ہی اس میں آجاتا ہے کیونکہ ہر شخص کو تہجد کے لئے اٹھنا پڑتا ہے، کم کھانا بھی ظاہر بات ہے کیونکہ سارا دن فاقہ کرنا پڑتا ہے اور جنسی تعلقات کی کمی بھی ظاہر بات ہے، پھر کم بولنا بھی رمضان میں آجاتا ہے اس لئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا، روزہ یہ نہیں کہ تُو اپنا مُنہ کھانے پینے سے بند رکھے بلکہ روزہ یہ ہے کہ تُو لغو باتیں بھی نہ کرے۔[5] پس روزہ دار کے لئے بے ہودہ بکواس سے بچنا، لڑائی جھگڑے سے بچنا اور اس طرح کی لغو باتوں سے بچنا ضروری ہوتا ہے اور اس طرح کم بولنا بھی رمضان میں آگیا۔ گویا کم کھانا، کم بولنا، کم سونا اور کم جنسی تعلقات کرنا یہ چاروں باتیں رمضان میں آگئی ہیں اور یہ چاروں چیزیں نہایت ہی اہم ہیں اور انسانی زندگی کا ان سے گہرا تعلق ہے۔ پس جب ایک روزہ دار اِن چاروں آرام و آسائش کے سامانوں میں کمی کرتا ہے تو اس میں مشقّت برداشت کرنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ رمضان ہم سے قربانی کراتا ہے نیند کی، رمضان ہم سے قربانی کراتا ہے باتوں کی، رمضان ہم سے قربانی کراتا ہے کھانے کی، رمضان ہم سے قربانی کراتا ہے جنسی تعلقات کی اور ان قربانیوں کے نتیجہ میں وہ ہمیں اس بات کی عادت ڈالتا ہے کہ ہم نیکی کے کاموں میں مشقّت برداشت کریں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اپنے کسی استاد یا کسی سابق بزرگ کا یہ قول بیان فرمایا کرتے تھے

کہ گیارہ مہینے انسان حرام چھوڑنے کی مشق کرتا ہے مگر بارھویں مہینے میں وہ حلال چھوڑنے کی مشق کرتا ہے۔ یعنی روزوں کے علاوہ دوسرے ایام میں ہم یہ نمونہ دکھاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے لئے ہم کس طرح حرام چھوڑ سکتے ہیں مگر روزوں کے ایام میں ہم یہ نمونہ دکھاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے لئے کس طرح حلال چھوڑ سکتے ہیں اور اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ حلال چھوڑنے کی عادت پیدا کئے بغیر دنیا میں حقیقی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ دنیا میں اکثر فساد اس لئے نہیں ہوتے کہ لوگ حرام چھوڑنے کے لئے تیار نہیں بلکہ اکثر فساد اس لئے ہوتے ہیں کہ لوگ حلال کو بھی ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ لوگ بہت ہی کم ہیں جو ناجائز طور پر کسی کا حق دبائیں مگر وہ لوگ دنیا میں بہت زیادہ ہیں جو لڑائی اور جھگڑے کو پسند کرلیں گے مگر اپنا حق چھوڑنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔ وہ کہیں گے یہ ہمارا حق ہے ہم اسے کیوں چھوڑیں۔ سینکڑوں پاگل اور نادان دنیا میں ایسے ہیں جو اپنا حق حاصل کرنے کے لئے دنیا میں عظیم الشان فتنہ وفساد پیدا کردیتے ہیں اور اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ دنیا کا امن برباد ہورہا ہے حالانکہ اگر وہ ذاتی قربانی کریں تو دنیا سے جھگڑا اور فساد مٹ جائے اور نہائت خوشگوار امن قائم ہوجائے۔

تو رمضان آکر ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ تم حرام ہی نہ چھوڑو بلکہ خدا تعالیٰ کے لئے اگر ضرورت پڑ جائے تو حلال یعنی اپنا حق بھی چھوڑ دو تا دنیا میں نیکی قائم ہو اور خدا تعالیٰ کا نام بلند ہو۔ اس لحاظ سے رمضان کو تحریک جدید سے ایک گہری مناسبت ہے۔ میں نے صرف ایک کھانا کھانے کا اصل تحریک جدید میں شامل کیا ہے۔ اب دیکھو دو کھانے حرام تو نہیں ہیں لیکن میں نے تم کو کہا کہ جو چیز حلال ہے اس کو بھی تم چھوڑ دو تا کہ امیر اور غریب کا فرق دور ہو اور تا خدا ہمیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے روپیہ کو بچاتے ہوئے اسے خدمتِ دین کیلئے خرچ کرسکیں اور تا ہمیں توفیق ملے کہ ہم اپنے نفس کو عیاشی اور آرام طلبی سے بچاسکیں۔ یہی رمضان کی غرض ہے۔ رمضان بھی یہی کہتا ہے کہ آؤ تم اب خدا تعالیٰ کی خاطر حلال چیزیں چھوڑ دو۔ بے شک دوسرا کھانا حرام نہیں ہے مگر ہم نے اسے اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ تا اس کے ذریعہ ہم بہت بڑا دینی اور دنیوی فائدہ حاصل کرسکیں۔ سادہ غذا کے استعمال کرنے میں نہ صرف دنیوی لحاظ سے فائدہ ہے بلکہ ہماری روح کا بھی اس میں فائدہ ہے اور وہ خلیج جو غرباء اور امراء میں

حائل ہے وہ اس کے ذریعہ سے بالکل پائی جاتی ہے۔

دوسرا فائدہ رمضان کا یہ ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو استقلال کی عادت ڈالی جاتی ہے کیونکہ یہ نیکی متواتر ایک مہینہ تک چلتی ہے۔ غذا انسان کے ساتھ اس طرح لگی ہوئی ہے کہ اگر ہر انسان کھانے پینے کا اندازہ لگائے تو دیکھ سکتا ہے کہ وہ دن بھر میں دس بارہ دفعہ ضرور کھاتا پیتا ہے۔ دو دفعہ کھانا تو ہمارے ملک میں عام ہے لیکن اس کے علاوہ غرباء اور امراء دونوں اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر انہیں میسر آسکے تو تیسرے وقت کا کھانا بھی کھائیں۔ یعنی صبح کا ناشتہ کرلیں کیونکہ اطباء کے تجربے نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ صبح کچھ نہ کچھ کھانا صحت کے لئے مفید ہوتا ہے۔ پنجابی میں شاید اسے شاہ ویلا کہتے ہیں۔ ایک زمیندار بھی اگر اَور نہیں تو چھاچھ ہی پی لے گا یا باسی روٹی ہی کھالے گا۔ اور اگر کسی کو زیادہ توفیق ہوگی تو باسی روٹی اور مکھن کھائے گا۔ ہماری زبان کی کئی ضرب الامثال اس وقت کے کھانے کی تائید میں ملتی ہیں اور جسے میسر آتا ہے وہ علاوہ دو وقت کھانے کے صبح کا ناشتہ ضرور کرتا ہے۔ پس اس طرح تین وقت کھانا ہوگیا اور جو لوگ انگریزی طریق پر زندگی بسر کرتے ہیں یا شہری زندگی کے عادی ہو چکے ہیں وہ تین وقت کی بجائے چار وقت کھانا کھاتے ہیں، یعنی شام کو بھی ناشتہ کرتے ہیں۔ زمینداروں میں سے بھی بعض چار دفعہ کھاتے ہیں یعنی عصر کے وقت دانے بھُنوا کر چبا لیتے ہیں۔ پھر ایک اَور کھانا ہے جس کا استعمال انگریزی طرز کے عادی لوگوں میں اور بعض زمینداروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ انگریزوں میں وہ سپر (SUPPER) کہلاتا ہے یعنی رات کو زیادہ جاگنے پر وہ پہلی شب کے کھانے کے بعد ایک اَور ہلکا سا کھانا کھاتے ہیں۔ بعض زمینداروں میں اس کھانے کا رواج اس رنگ میں ہے کہ وہ روزانہ رات کو سوتے وقت دودھ کا ایک گلاس پی لیتے ہیں اور اسے طاقت کے قیام کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس طرح دن رات کے پانچ کھانے ہو جاتے ہیں۔ خالص انگریزی تمدن میں تو چھ کھانے بھی استعمال کر لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ انگریزوں میں یہ رواج ہے کہ علی الصبح چائے بسکٹ استعمال کرتے ہیں اور پھر چائے پی کر سو جاتے ہیں۔ گویا چائے وہ قریباً سحری کے وقت استعمال کرتے ہیں، اس کے بعد صبح کا ناشتہ کرتے ہیں، پھر دوپہر کا کھانا کھاتے ہیں، پھر شام کی چائے پیتے ہیں، پھر شام کا کھانا کھاتے ہیں

اور سوتے وقت طعامِ شب کا استعمال کرتے ہیں۔اس کے علاوہ چار پانچ دفعہ انسان کو پانی بھی پینا پڑتا ہے۔اس طرح دس گیارہ دفعہ انسان کھاتا پیتا ہے۔ زمیندار بھی اگر زیادہ اعلیٰ کھانا استعمال نہیں کر سکتے تو اپنی حیثیت کے مطابق مختلف کھانے ضرور استعمال کرتے ہیں۔ پہلے صبح کا ناشتہ کرتے ہیں، اس کے بعد دوپہر کا کھانا کھاتے ہیں، پھر عصر کے وقت بعض زمینداروں میں یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ دانے بھُنا لیتے ہیں یا دوپہر کی بچی ہوئی روٹی ہوتو وہی کھا لیتے ہیں، شام کو پھر کھانا کھاتے ہیں اور سوتے وقت دودھ پیتے ہیں۔ چھاچھ یا پانی جو درمیان میں پیتے رہتے ہیں وہ اس کے علاوہ ہے۔گویا غرباء اور امراء، شہری اور دیہاتی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق عام ایام میں دس بارہ دفعہ کھاتے پیتے ہیں مگر رمضان میں تمام کھانے سمٹ سمٹا کر صرف دو بن جاتے ہیں۔اسی طرح پانی میں بہت کچھ کمی آجاتی ہے۔یعنی اس کے پینے کے اوقات بہت کم ہو جاتے ہیں۔گو بعض لوگ روزہ کی افطاری کے وقت اکٹھا ہی اتنا پانی پی لیتے ہیں جتنا وہ دن بھر میں پیا کرتے ہیں لیکن پھر بھی پانی پینے کا عرصہ بہت کم ہو جاتا ہے۔ یہ کھانے پینے کی جو تنگی ہے باقی زندگی کے دنوں سے بالکل نرالی ہوتی ہے۔پہلے بھی بے شک کھانے پینے میں وقفے ہوتے ہیں مگر وہ اتنے لمبے نہیں ہوتے جتنے رمضان میں ہوتے ہیں۔کھانے پینے کا وقفہ عام طور پر دو تین گھنٹے کا ہوتا ہے مگر رمضان میں اول تو تمام کھانے سمٹ سمٹا کر دو کھانوں پر آجاتے ہیں اور پھر وقفہ بھی کافی لمبا ہو جاتا ہے۔پس رمضان کے ایام میں اپنی عادت کی بہت کچھ قربانی کرنی پڑتی ہے اور یہ قربانی ایک دن نہیں دو نہیں، تین نہیں، ایک مہینہ تک بغیر کسی ناغہ کے کرنی پڑتی ہے۔بے شک شام کو انسان روزہ کھول لیتا ہے مگر دراصل شام کو روزہ کھولنا دوسرے دن کے روزہ کی تیاری ہوتا ہے کیونکہ اِدھر انسان روزہ کھولتا اور کھانا کھاتا ہے اور اُدھر نمازیں پڑھ کر اس نیت سے سو جاتا ہے کہ میں نے پچھلی رات تہجد کے لئے اٹھنا اور پھر روزہ رکھنا ہے اور یہ طبعی بات ہے کہ کوئی احساس نیند کے وقت میں نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں سویا ہوًا اور مُردہ برابر ہیں۔پس جو اس کے سونے کا وقت ہے وہ احساس کا نہیں اور جو اس کے احساس کا وقت ہے اُسے وہ کُلّی طور پر روزہ کے لئے وقف کر دیتا ہے۔کچھ روزہ رکھتے ہوئے اور کچھ روزہ کی نیت کرتے ہوئے۔اور اگر اسے کوئی سفر پیش نہ آجائے یا اتفاقیہ طور پر بیمار نہ ہو جائے تو اس کی

یہ قربانی مسلسل ۲۹ یا ۳۰ دن چلتی ہے اور اس طرح اس کے اندر استقلال کا مادہ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر روزے رکھنا انسان کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا تو آدمی دو دن روزے رکھتا اور پھر سانس لینے کی کوشش کرتا مگر اللہ تعالیٰ نے سانس لینے کی اجازت نہیں دی بلکہ ایک مہینہ مسلسل مقرر فرما دیا اور کہہ دیا کہ سانس نہیں لینا لگا تار روزے رکھتے چلے جانا ہے۔

پس روزوں سے دوسرا عظیم الشان سبق استقلال کا ملتا ہے اور یہ بھی تحریک جدید سے ایک گہرا تعلق رکھتا ہے۔ تحریک جدید میں مَیں نے جماعت کو توجہ دلائی ہے کہ ہماری قربانیاں عارضی نہیں بلکہ مستقل ہیں۔ بے شک قربانیوں کی شکلیں بدل سکتی ہیں مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی وقت یہ کہا جائے کہ اب قربانیوں کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ بغیر مستقل قربانیوں کے کوئی شخص خدا تعالیٰ کو نہیں پا سکتا۔ جس شخص کے دل میں بھی یہ خیال آیا کہ میں سانس لے لوں وہ سمجھ لے کہ اس کا ایمان ضائع ہوگیا۔ تم میں سے کئی ہیں جنہوں نے بڑی دیانت داری سے قربانیاں کیں، تم میں سے کئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حضور چلّائے اور انہوں نے آہ وزاری کی، تم میں سے کئی ہیں جنہوں نے روزے رکھے، تہجد پڑھی نوافل ادا کئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور روئے اور گڑگڑائے، تم میں سے کئی ہیں جنہوں نے چندے دیئے اور اپنے بیوی بچوں کے پیٹ کاٹ کر دیئے، تم میں سے کئی ہیں جنہوں نے خود بھوکے اور ننگے رہ کر زکوٰتیں دیں اور دوسرے فرائض ادا کئے مگر انہوں نے دیکھا کہ ان قربانیوں کے وہ نتائج انہیں حاصل نہیں ہوئے جو ایسی قربانیوں کے نتیجہ میں ملا کرتے ہیں اور جن کی وہ امید لگائے بیٹھے تھے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے قربانی تو کی مگر استقلال سے قربانی نہیں کی۔ ان کا جوش ایسا ہی تھا جیسے عوام الناس جب کوئی پُر جوش تقریر سنتے ہیں تو لڑنے مرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں مگر تھوڑی دیر کے بعد ہی جب دیکھا جائے تو ان کے دل بالکل ٹھنڈے ہو چکے ہوتے ہیں اور ان میں کوئی گرمی نہیں ہوتی۔ اگر ان قربانیوں کا محرک حقیقی اخلاص اور حقیقی جوش ہوتا تو چاہئے تھا کہ وہ اپنی قربانیوں میں بڑھتے چلے جاتے اور کسی واعظ اور کسی یاد دلانے والے کی ضرورت محسوس نہ کرتے کیونکہ حقیقی محبت جوش دلانے سے تعلق نہیں رکھتی اور نہ وہ عارضی ہوتی ہے بلکہ حقیقی محبت استقلال سے تعلق رکھتی ہے۔ تم اپنے بچہ سے محبت کرتے ہو مگر کیا تم بچوں سے محبت کرنے کے لئے کسی کے

یاد دلانے کی ضرورت محسوس کیا کرتے ہو؟ کیا تم نے کبھی محسوس کیا کہ سال دو سال گزرنے کے بعد اپنے بچہ کی محبت تمہارے دل میں کم ہونی شروع ہوگئی ہو اور تمہیں اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی ہو کہ کوئی واعظ آئے اور تمہیں جگائے اور کہے کہ اپنے بچہ سے محبت کرو؟ آخر دنیا میں اسّی نوے فیصدی لوگ شادیاں کرتے ہیں اور ان کی اولادیں بھی ہوتی ہیں۔ بعض مریضِ اخلاقی یا مریضِ جسمانی شادی بھی نہیں کرتے مگر وہ بہت کم ہیں۔ مریضِ اخلاقی سے میری مراد وہ بدکار لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمیں شادی کی کیا ضرورت ہے ہم بغیر شادی کے اپنا گزارہ کر لیتے ہیں اور مریضِ جسمانی وہ لوگ ہیں جن کی جسمانی طاقت شادی کی متحمل نہیں ہوتی ان کو اگر مستثنیٰ بھی کر دیا جائے تو اسّی نوّے فیصدی لوگ شادیاں کرتے ہیں اور ان کے بچے بھی ہوتے ہیں کیا اتنی بڑی اکثریت کو کبھی تم نے دیکھا کہ ان میں بچوں کی محبت کبھی کم ہوگئی ہو اور وہ اس بات کے محتاج ہوئے ہوں کہ انہیں یاددہانی کرائی جائے اور کہا جائے کہ اپنے بچوں سے محبت کرو تمہاری ان سے محبت کم ہوگئی ہے۔ اگر ایک بھی مثال ہمیں ملتی تو ہمارے نفس بہانہ کر سکتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے اور اس کے دین کے لئے قربانیاں کرنے کے لئے بھی ہمیں یاددہانی کی ضرورت ہے مگر ہمیں تو ایک مثال بھی ایسی نظر نہیں آتی۔ کیا تم نے کبھی کوئی ماں دیکھی جس کو اپنے بچہ سے محبت نہ ہو اور اسے کسی مولوی یا پنڈت یا پادری کے واعظ کی ضرورت ہو؟ کبھی تم نے دیکھا کہ ماؤں کے سامنے مولوی یہ لیکچر دے رہے ہوں کہ اے مسلمان ماؤ! اپنے بچوں سے محبت کرو یا پنڈت ہندو عورتوں کے سامنے یہ تقریریں کر رہے ہوں کہ ماؤں کو اپنے بچوں سے محبت کرنی چاہئے؟ یا پادری عیسائی عورتوں کو تلقین کر رہے ہوں کہ اے ماؤ! اپنے بچوں سے محبت کرو؟ یا کبھی تم نے دیکھا کہ قومی تحریک کے نام سے یہ تحریک اُٹھی ہو کہ ماؤں کے دلوں میں بچوں کی محبت پیدا کی جائے؟ یا کبھی تم نے دیکھا کہ گورنمنٹ نے ایسی کتابیں تصنیف کی ہوں جن میں یہ لکھا ہو کہ ماؤں کو بچوں سے محبت کرنی چاہئے؟ تم نے دنیا میں ایسا کبھی نہیں دیکھا اس لئے کہ ایسے وعظ کی کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں اسے اپنے گلے سے چمٹا لیتی ہے اور پھر اسے چمٹائے چلی جاتی ہے۔ وہ بعض دفعہ ناراض بھی ہوتی ہے اور ناراض ہونا انسانی فطرت کا تقاضا ہے مگر اس کی ناراضگی بھی اس کی محبت کو نہیں چُھڑا سکتی۔

سوائے اس کے کہ کوئی دوسرا زبردست جذبۂ محبت اس محبت کے مقابلہ میں آ جائے۔ جیسے کوئی دیندار باپ اپنے اس بیٹے سے جو خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہو قطع تعلق کر لیتا ہے اور وہ خدا کی محبت کے لئے اپنے دل کے ٹکڑے کو کاٹ کر پرے پھینک دیتا ہے مگر باوجود اس کے یہ غیرت کا جذبہ اُس کی محبت کو مٹاتا نہیں، وہ اس جذبہ کو چُھپا دیتا ہے، انسانی نگاہوں سے اوجھل کر دیتا ہے مگر اسے جڑ سے اُکھیڑ نہیں سکتا۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایک دیندار باپ اپنے بے دین بچہ سے محبت کا اظہار خدا تعالیٰ کی محبت کے لئے چھوڑ دے مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ محبت کا جذبہ کُلیتہً مفقود ہو جائے۔ باوجود اس کے کہ وہ ظاہری طور پر اس سے محبت نہیں کرتا، اس کا دل کڑھتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ دعا کرتا رہتا ہے کہ اے خدا! تُو میرے بچہ کو بچا۔ وہ بعض دفعہ اسے دیکھنا بند کر دیتا ہے، اس سے ملنا جلنا بند کر دیتا ہے، اس کے ساتھ کھانا پینا بند کر دیتا ہے، اسے خرچ دینا بند کر دیتا ہے، اس کے گھر میں رہنا بند کر دیتا ہے، یا اسے اپنے گھر میں رہنے دینے سے انکار کر دیتا ہے، مگر اس کے دل کا زخم ایک ناسور کی طرح رِستا رہتا ہے اور اس کی موت تک یہی حالت رہتی ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ سے رو رو کر کہتا رہتا ہے کہ اے خدا! میں نے تیرے لئے اپنے بچہ کو چھوڑ دیا ہے تو اپنے فضل سے اسے پھر مجھے واپس دلا دے۔ تو حقیقی نفرت ایک باپ کو اپنے بچہ سے یا ایک ماں کو اپنے بیٹے سے کبھی نہیں ہوسکتی۔ جب ماں باپ غصے بھی ہوں گے تب بھی اُس کی تہہ میں محبت کا جلوہ کارفرما ہوگا اور زیادہ سے زیادہ اگر ہوگا تو یہی ہوگا کہ ایک بڑی محبت چھوٹی محبت کو دبا دے گی مگر وہ اسے مار نہیں سکتی، اسے کُچل نہیں سکتی، اسے مٹا نہیں سکتی۔ تو جہاں حقیقی تعلق ہوتا ہے وہاں وقفہ نہیں پڑتا بلکہ دائمی محبت اور دائمی قربانی کی روح کام کرتی نظر آتی ہے مگر جہاں محبت کی کمی ہوتی ہے وہاں قربانیوں میں وقفے پڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔

پس اگر تمہاری قربانیوں نے کوئی نیک نتائج پیدا نہیں کئے تو سمجھ لو کہ تمہارا خدا تعالیٰ سے عارضی تعلق تھا اور جب تم نے کسی عارضی تحریک کے ماتحت قربانی کی تو اس کا وہ نتیجہ کس طرح پیدا ہوسکتا تھا جو دائمی قربانی کے نتیجہ میں پیدا ہؤا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا کہ فلاں شخص بڑا عبادت گزار ہے کیونکہ اس نے

چھت میں ایک رسّہ لٹکا رکھا ہے جب نماز پڑھتے پڑھتے اسے نیند آنے لگتی ہے تو رسّہ پکڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا یہ کوئی عبادت نہیں۔ عبادت وہی ہے جس میں انسان کو دوام اور استقلال نصیب ہو۔[6] پس بے شک تم میں سے بعض نے بڑی بڑی قربانیاں کیں مگر جب تم نے ان قربانیوں کے بڑے بڑے نتائج نہیں دیکھے تو سمجھ لو کہ اس کی وجہ یہی ہے کہ تم میں استقلال نہیں تھا جس کے معنی یہی ہیں کہ تم میں حقیقی محبت نہ تھی۔ ورنہ اگر تمہارے اندر حقیقی محبت ہوتی تو یقیناً تمہاری نمازیں اور تمہارے روزے اور تمہاری زکوٰتیں اور تمہارے حج اور تمہارے چندے بہت زیادہ شاندار اور اعلیٰ نتائج پیدا کرتے اور تم اپنی موت سے پہلے اپنے خدا تعالیٰ کو دیکھ لیتے اور تمہاری موت شبہ کی موت نہ ہوتی بلکہ مرتے وقت انتہائی راحت اور آرام کی گھڑی تمہیں نصیب ہوتی۔ موت کیا ہے؟ ایک نہایت ہی خطرناک راہ۔ جس طرح ایک اندھیرے کنویں میں چھلانگ لگانے والا یہ نہیں جانتا کہ اس کنویں کی تہہ میں سانپ یا بچھو ہیں یا آراستہ و پیراستہ محلات۔ اسی طرح مرنے والا نہیں جانتا کہ موت کے بعد اس کے لئے آرام دہ زندگی اس کا انتظار کر رہی ہے یا تکلیف اور مصیبت کی گھڑیاں اسے اپنی طرف بُلا رہی ہیں۔ وہ چھلانگ لگاتا ہے مگر ایک گھنٹہ کے لئے نہیں ایک دن کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لئے۔ وہ جانتا ہے کہ اس موت کے بعد اس کے لئے کوئی لَوٹنا نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ پھر کبھی وہ اِس جہان میں واپس نہیں آ سکتا۔ پس اگر اس موت کے بعد عذاب ہے تو ہمیشہ کے لئے عذاب ہے اور اگر اس موت کے بعد راحت ہے تو ہمیشہ کے لئے راحت ہے۔ اس بات کو جانتے ہوئے وہ چھلانگ لگاتا ہے اور وہ بھی خود نہیں بلکہ اُسے مجبور کیا جاتا ہے کہ اس میں کُود ے۔ پس جب وہ انسانی نظروں سے ہمیشہ کے لئے پوشیدہ ہو رہا ہوتا ہے، جب وہ اس جہان کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ رہا ہوتا ہے اگر اُس وقت جیسا کہ قرآن کریم میں ذکر آتا ہے فرشتے آئیں اور اسے کہیں کہ گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ تمہارا انتظار کر رہا ہے تو دیکھو اس کی موت کی گھڑی خوشی سے کس قدر لبریز ہو جائے گی۔ یقیناً اُس وقت کی خوشی کے مقابلہ میں اگر سارے جہان کی خوشیاں بھی مِلا کر رکھ دی جائیں تو وہ بالکل بے حقیقت ہوں گی کیونکہ دُنیا میں ہر خوشی کے ساتھ یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ یہ خوشی جلد ہی زائل ہو جائے گی مگر وہ خوشی ایسی ہے جس کے متعلق اسے

یہ یقین ہوگا کہ وہ کبھی زائل نہیں ہوسکتی۔ پس موت کے وقت کی ایک منٹ کی خوشی بھی ساری زندگی کی خوشیوں سے ہزاروں گُنے زیادہ خوشی کا موجب ہے اور اگر یہ خوشی کسی کو نصیب ہوجائے تو وہ نہایت اطمینان سے اپنی جان اپنے خدا کے سُپرد کرے گا کیونکہ وہ سمجھے گا کہ میرا خدا مجھ سے راضی ہے۔ مگر اس کے مقابلہ میں کس قدر تکلیف اور دُکھ کی وہ موت ہے جس میں ایک طرف انسان اپنے بیوی بچوں کو دیکھ رہا ہوتا ہے کہ انہیں وہ اکیلا چھوڑے جارہا ہے اور ان کا کوئی نگران و پُرسانِ حال نہیں اور دوسری طرف اسے خود یہ پتہ نہیں ہوتا کہ نہ معلوم میرے لئے دائمی آرام اور راحت کا سامان تیار ہے یا دائمی دُکھ اور عذاب کا سامان تیار ہے۔ اس کی وہ گھڑیاں کتنے شک اور شُبہ کی گھڑیاں ہوں گی اور وہ کس قدر دُکھ اور تکلیف محسوس کررہا ہوگا۔ جو شخص اس دُبدھا اور شک کو دُور کرلے اُس سے زیادہ کامیاب اور اس سے زیادہ خوش نصیب اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ تو تحریک جدید بھی استقلال سکھانے کیلئے ہے اور رمضان بھی لوگوں کے اندر استقلال کا مادہ پیدا کرتا ہے۔

پس تم رمضان سے سبق حاصل کرتے ہوئے استقلال والی نیکی اختیار کرو اور اپنی وہ حالت نہ بناؤ کہ کبھی کھڑے ہوگئے اور کبھی گر گئے۔ کم سے کم چند نیکیاں تو اپنے اندر ایسی پیدا کرو جن میں تم مستقل ہو اور جن کو تم کسی صورت چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہو۔ بے شک انسان کیلئے ہر وقت نیکی کے قدم مختلف ہوتے ہیں اور ہر لحظہ اسے نیکی کرنی چاہئے مگر کم سے کم کچھ نیکیاں ایسی ضرور ہونی چاہئیں جن کے متعلق انسان یہ کہہ سکے کہ میں نے جب سے انہیں کرنا شروع کیا ہے کبھی انہیں نہیں چھوڑا۔ ایک مؤمن کو کم سے کم یہ ضرور کہنا چاہئے کہ میں نے جب سے نماز پڑھنی شروع کی ہے کبھی کوئی نماز نہیں چھوڑی، میں نے جب سے روزے رکھنے شروع کئے ہیں کبھی کوئی روزہ نہیں چھوڑا جو شرعی طور پر میرے لئے رکھنا ضروری تھا اور کبھی مالی قربانی سے احتراز نہیں کیا جس کا پیش کرنا میرے لئے ضروری تھا۔ اسی طرح عورتیں بھی اپنے اندر استقلال والی نیکی پیدا کرکے کہہ سکتی ہیں کہ ہم نے ان دنوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے جن میں شریعت نے ہمیں رخصت دی ہوئی ہے کبھی کوئی نماز نہیں چھوڑی یا کبھی کوئی مالی قربانی کا موقع ایسا نہیں نکلا جس میں ہم نے حصہ نہ لیا ہو۔ اگر کم سے کم یہ تین نیکیاں ہی انسان میں پیدا ہوجائیں

مثلاً عبادت کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے قُرب میں بڑھنا، مالی خدمات کے ذریعہ مخلوقِ خدا کو نفع پہنچانا اور روزہ کے ذریعہ اپنے جذبات اور احساسات کی قربانی کرنا تو وہ کہہ سکتا ہے کہ تین ایسی عظیم الشان نیکیاں مستقل طور پر میرے اندر پائی جاتی ہیں جن کے ہوتے ہوئے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ میرے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت نہیں۔ میں نے اپنی مرضی اور اختیار سے کبھی کوئی نماز نہیں چھوڑی، میں نے اپنی مرضی اور اختیار سے کبھی کوئی روزہ نہیں چھوڑا اور کبھی کوئی چندہ کا ایسا موقع نہیں نکلا جس میں مَیں نے حصہ نہیں لیا۔ اگر ان تینوں نیکیوں پر کسی شخص کا قدم مضبوطی سے قائم ہو اور باقی نیکیوں میں اس کا قدم کبھی ڈگمگا بھی جائے تو کم سے کم وہ یہ ضرور یقین رکھے گا کہ میرا ان تین نیکیوں کے عوض جنت میں مکان ضروری ہے اور کوئی نہ کوئی ٹھکانہ میرا وہاں موجود ہے کیونکہ ہر مستقل نیکی جنت کا ایک مکان ہے۔ بے شک وہ شخص بہت زیادہ خوش قسمت ہے جس کے جنت میں کئی محل ہوں مگر جس کا ایک محل ہو وہ بھی تو خوش قسمت ہے۔ دنیا میں ہزار ہا نیکیاں ہیں جن کا استقلال سے بجالانا جنت میں مختلف محلات تیار کر دیتا ہے مگر ادنیٰ نیکی یہ ہے کہ روزہ کے ذریعہ اپنے جذبات کا ہدیہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائے، نماز کے ذریعہ اس کے قُرب کو تلاش کیا جائے اور مالی قربانیوں کے ذریعہ بنی نوع انسان کے حقوق ادا کئے جائیں۔ اگر کوئی شخص استقلال کے ساتھ بغیر ناغہ، بغیر وقفہ، بغیر تنزّل اور بغیر قدم ڈگمگانے کے یہ نیکیاں کرتا ہے اور کرتا چلا جاتا ہے تو ہم اس کے متعلق یقین کر سکتے ہیں کہ اس کے نفس کو اطمینان حاصل ہو گیا اور اس کی موت کی گھڑیاں دُبدَ ہا اور شک کی گھڑیاں نہیں ہونگی۔ یہ تین زبردست شاہد ہیں جو ایک انسان کے ایمان کی شہادت دینے کیلئے کافی ہیں۔ دُنیوی عدالتوں میں بعض جگہ دو اور بعض جگہ چار گواہ کافی سمجھے جاتے ہیں، الٰہی عدالت میں بھی ان تین گواہوں کی گواہی ردّ نہیں کی جاسکتی بلکہ اگر ان کے ساتھ کوئی چوتھی نیکی بھی ملا لی جائے تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا وہ بہترین ثبوت پیش کرے گا جو کسی قضاء میں خطا نہیں جاتا اور کہیں ناکام نہیں ہوتا۔

تیسرا سبق ہمیں رمضان سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ کوئی بڑی کامیابی بغیر مشقت برداشت کئے حاصل نہیں ہوسکتی۔ جس کا اظہار لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [۲] میں کیا گیا ہے۔ گویا رمضان جہاں

ہمیں یہ بتا تا ہے کہ کوئی قربانی استقلال کے بغیر قبول نہیں ہوتی تو وہاں ہمیں وہ یہ بھی بتا تا ہے کہ بغیر مشقت برداشت کئے کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی اور وہ شخص جو چاہتا ہے کہ بغیر مشقت برداشت کئے دین و دنیا میں کامیابی حاصل کرلے وہ پاگل اور احمق ہے اور اسے کسی جگہ بھی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔

آج ہمارے سامنے دنیا کی تین قومیں موجود ہیں جن میں سے دو ہمارے سامنے گریں اور پھر ہمارے سامنے ہی بلند ہوئیں اور ایک جو پہلے کمزور تھی مگر ہماری زندگیوں میں بیدار ہوئی اور اس نے ترقی کی۔ ہم میں سے وہ لوگ جو تیں چالیس سال کی عمر کے ہیں وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ قومیں ان کی آنکھوں کے سامنے گریں اور پھر ان کی آنکھوں کے سامنے ہی اٹھیں۔ وہ اٹلی اور جرمنی ہیں اور جو پہلے کمزور تھی اور دیکھتے دیکھتے بڑھ گئی وہ جاپان ہے۔ جرمنی قوم ہماری آنکھوں کے سامنے ۱۹۱۸ء میں گری ۱۹۲۸ء میں اس نے اٹھنا شروع کیا اور ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۸ء میں وہ منتہائے طاقت کو جا پہنچی لیکن کن قربانیوں کے ساتھ؟ ایسی قربانیوں کے ساتھ جو ایک یا دو نے نہیں بلکہ سارے ملک نے کیں۔ ہماری جماعت بھی قربانیاں کرتی ہے لیکن اُن قربانیوں کو اگر دیکھا جائے جو جرمن قوم نے کیں تو ایک نقطہ نگاہ سے ہماری قربانیاں ان کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہو جاتی ہیں۔ گو ایک دوسرے نقطہ نگاہ سے ہماری قربانیاں ان سے بڑھی ہوئی ہیں۔ اخلاقی لحاظ سے ہماری قربانیاں بڑی ہیں اور عملی لحاظ سے اُن کی قربانیاں بڑی ہیں۔ انہوں نے اپنے کھانے، پینے، پہننے اور قریباً زندگی کے ہر عمل پر ایسی حد بندیاں لگائی ہوئی ہیں جن کو سن کر حیرت ہوتی ہے اور کوئی شخص ان حد بندیوں کو نہیں توڑ سکتا۔ گورنمنٹ ایک قانون بنا دیتی ہے اور تمام لوگوں کو کیا مرد اور کیا عورتیں اور کیا بچے اس قانون کی اتباع کرنی پڑتی ہے اور رات دن وہ قربانیاں کرتے چلے جاتے ہیں اس لحاظ سے یقیناً ان کی قربانیاں بہت زیادہ ہیں۔ لیکن ایک لحاظ سے ہماری قربانیاں اُن سے بڑھی ہوئی ہیں اور وہ اس طرح کہ ان کو طاقت کے زور سے چلایا جاتا ہے اور ہم میں سے ہر شخص اخلاص اور اپنی مرضی سے قربانی میں حصہ لیتا ہے اور اصل قربانی دراصل وہی ہوتی ہے جو اپنی رضا اور اپنی مرضی سے کی جائے۔ پس اخلاقی اور مذہبی لحاظ سے ہماری قربانی اُن سے بہت زیادہ ہے کیونکہ مرضی سے قربانی کرنا ہی

اصل قربانی ہے وہ قربانی جو جبر اور زور سے کرائی جائے وہ قربانی نہیں کہلا سکتی ۔ پس جرمن قوم کی قربانی جرمن قوم کی نہیں کہلا سکتی وہ دراصل اُن افراد کی قربانی ہے جو تمام ملک کو بعض خاص اصول کے ماتحت چلا رہے ہیں ۔ پس وہ جرمن قوم کی قربانی نہیں بلکہ ہٹلر اور اس کے ساتھیوں کی ہے جو اپنی قوم سے زور اور جبر سے قربانی کرا رہے ہیں اور خود قربانیاں کر رہے ہیں ۔ پہلے وہ کسی نہ کسی بہانہ سے آگے آ گئے اور جب انہیں حکومت پر تصرف حاصل ہو گیا تو انہوں نے جبر سے ایسی طرز پر قوم کو چلانا شروع کیا جس کے نتیجہ میں ان کی قوم کو بہت بڑی ترقی حاصل ہو گئی ۔ پس اس میں جرمن قوم کی اتنی قربانی نہیں جتنی ہٹلر اور اس کے ساتھیوں کی ہے مگر عملی لحاظ سے جو تکلیفیں انہوں نے اٹھائی ہیں وہ ہماری جماعت نے بالکل نہیں اٹھائیں ۔ انہیں کھانے اور پینے کے متعلق بھی اس قدر پابندیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں جس قدر کہ ہم لوگوں کو سارے شعبہ ہائے زندگی میں برداشت نہیں کرنی پڑتیں ۔ کبھی شکر پر پابندی لگتی ہے، کبھی گھی پر، کبھی ترکاریوں پر، کبھی گوشت پر، کبھی آٹے پر اور انہیں وہ پابندیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں ۔ یہاں تک کہ بعض ایام میں ان پر یہ پابندی بھی عائد کی گئی کہ خالص آٹا نہ کھائیں بلکہ اس کے اندر ایک خاص مقدار میں لکڑی کا برادہ ملا کر کھائیں ۔ انہوں نے یہ سب کچھ برداشت کیا اور بُہتوں نے خوشی سے برداشت کیا ۔ اسی طرح لباس پر پابندیاں عائد ہیں ۔ حکم دیا جاتا ہے کہ فلاں کپڑا پہننا ہے اور فلاں نہیں پہننا کیونکہ فلاں ملک سے جہاں ممنوع کپڑا بنتا ہے ہمارے تعلقات اچھے نہیں اور معاً تمام ملک کے کپڑے تبدیل ہو جاتے ہیں ۔ اسی طرح جب مکان تعمیر ہوتے ہیں تو سامانوں پر پابندی عائد کر دی جاتی ہے کہ فلاں سامان استعمال کیا جائے اور فلاں سامان استعمال نہ کیا جائے ۔ غرض رات دن ان کے کھانے پینے ، پہننے اور سونے پر پابندیاں عائد رہتی ہیں ۔ حتّٰی کہ جرمن حکومت نے کتابوں پر بھی پابندیاں عائد کی ہوئی ہیں کہ فلاں کتابیں پڑھنی ہیں اور فلاں نہیں پڑھنیں اور تمام قوم چُپ چاپ ان پابندیوں کو قبول کرتی چلی جاتی ہے ۔ پس عملی لحاظ سے ان کی تکلیف بہت زیادہ ہے مگر ان کی مشکلات ایسی ہی ہیں جیسے ایک قیدی کو مشکلات میں ڈال دیا جاتا ہے ۔ اب ایک قیدی بھی سادہ غذا کھاتا ہے مگر تم کبھی نہیں کہہ سکتے کہ فلاں قیدی نے بڑا ایثار کیا وہ سادہ غذا کھاتا ہے کیونکہ قیدی کو مجبور کر کے سادہ کھانا کھلایا جاتا ہے ۔ اسی طرح

جرمن قوم کی تعریف نہیں کی جائے گی کیونکہ جبر سے اس سے قربانیاں کروائی جاتی ہیں لیکن تمہاری تعریف کی جائے گی کیونکہ تم نے خدا تعالیٰ کیلئے اپنے نفس پر پابندیاں عائد کیں۔ پس گو ان کی تکلیف زیادہ ہے مگر ان کا ثواب کم ہے کیونکہ طاقت اور قانون کے زور سے ان سے یہ قربانیاں کرائی جا رہی ہیں اور گو تمہاری قربانیاں اور تکلیف کم ہے مگر تمہارا ثواب زیادہ ہے کیونکہ تم اپنی مرضی سے خدا تعالیٰ کیلئے قربانیاں کر رہے ہو لیکن بہرحال اس کا فائدہ انہیں پہنچ گیا اور گو طاقت اور قانونِ حکومت کے ڈر سے انہوں نے قربانیاں کیں لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دس سال کے اندر ایک مُردہ قوم ترقی کر کے معراجِ کمال تک پہنچ گئی۔

یہی حال اٹلی کا ہے۔ اٹلی کی قوم بھی مُردہ تھی، مگر اس نے بھی مشقتوں کا اپنے آپ کو عادی بنا کر اور متواتر قربانیاں کر کے نہ صرف اپنی کھوئی ہوئی عزت حاصل کی بلکہ پہلے سے بھی زیادہ دبدبہ اور رُعب حاصل کر لیا۔ اسی طرح جاپان بھی مُردہ تھا مگر جب ان میں قربانی کی روح پیدا ہوگئی تو وہ بھی ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا ہو گیا۔

تو رمضان میں قربانی اور استقلال کے ساتھ قربانی کا سبق مؤمنوں کو سکھایا جاتا ہے اور انہیں مشقت برداشت کرنے کا عادی بنایا جاتا ہے۔ اگر اس سے فائدہ اٹھایا جائے اور تحریک جدید کے مطالبات کو عملی جامہ پہنایا جائے تو یقیناً وہ اہم ثمرات پیدا ہونگے جو الٰہی قوموں کی جدوجہد کے نتیجہ میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ ہمارے ثمرات یقیناً دیر کے بعد آنے والے ہیں اور ہماری مثال اٹلی، جرمن اور جاپان کی نہیں۔ وجہ یہ کہ اٹلی، جرمن اور جاپان نے ملکوں کو فتح کیا مگر ہم نے دلوں کو فتح کرنا ہے اور دلوں کو فتح کرنا ملکوں کے فتح کرنے سے زیادہ مشکل ہوا کرتا ہے۔ پس ہماری فتح گو یقینی ہے مگر وہ کچھ دیر کے بعد دیر آید درست آید کے مقولہ کے مطابق آنے والی ہے۔

اس کے علاوہ ہم میں اور ان میں ایک اور فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر جرمنی نے ترقی کی تو صرف جرمنی کی قوم کو اس نے عروج پر پہنچایا، اگر اٹلی نے ترقی کی تو صرف اٹلی کی قوم کو اس نے عزت کا مستحق بنایا اور اگر جاپان نے ترقی کی تو صرف جاپانیوں کو اس نے معراجِ کمال تک پہنچایا لیکن اگر ہماری کوششوں کو اللہ تعالیٰ بارآور فرمائے تو وہ صرف ہمیں ہی نہیں بلکہ

ساری دنیا کو فائدہ پہنچائیں گی اور ہماری فتح جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر ہوگی اور ہماری فتح انسانوں پر نہیں بلکہ فرشتوں پر ہوگی بلکہ اگر بے ادبی نہ ہو تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا خدا بھی ہمارے قبضہ میں آ جائے گا۔ پس ہماری کوششوں کے نتائج بہت اہم ہیں اور ہماری ذمہ داریاں بہت وسیع ہیں اور ہماری منزل بہت دور ہے۔ کئی بیوقوف نوجوان ہیں جو کہہ دیا کرتے ہیں کہ جاپان نے تیس سال میں ترقی کر لی، اٹلی نے بیس سال میں ترقی کر لی اور جرمنی نے دس سال میں ترقی کر لی مگر ہم نے ان کے مقابلے میں کچھ بھی ترقی حاصل نہیں کی۔ وہ بیوقوف یہ نہیں جانتے کہ وہاں قوم کی قوم ایک مقصد کیلئے کھڑی تھی اور یہاں صرف ایک آدمی سے جدوجہد شروع ہوئی۔ جاپان نے جب دوڑ شروع کی تو اس نے چار کروڑ لوگوں کو اپنے ساتھ لیکر دوڑ لگائی اور تیس سال کی جدوجہد کے بعد اس نے چار کروڑ کو چھ کروڑ بنایا۔ اٹلی نے جب دوڑ شروع کی تو اس نے بھی چار پانچ کروڑ لوگوں کو ساتھ لے کر دوڑ شروع کی اور بیس سال کے عرصہ کے بعد انہیں چار سے پانچ کروڑ یا پانچ سے چھ کروڑ بنا دیا۔ اسی طرح جرمنی نے جب دوڑ شروع کی تو اس نے سات کروڑ لوگوں کے ساتھ شروع کی اور دس سال بعد انہیں آٹھ کروڑ بنا دیا۔ گویا وہ اس جدوجہد میں صرف چودہ فیصدی سے لے کر پچاس فیصدی تک بڑھے حالانکہ کروڑوں لوگ ایک ہی مقصد اور ایک ہی مدعا کو لے کر کھڑے ہوئے تھے۔

اس کے مقابلہ میں کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہماری دوڑ صرف ایک شخص سے شروع ہوئی۔ ایک شخص نے قادیان میں کھڑے ہو کر جو تمام متمدن دنیا سے الگ ایک گوشہ میں پڑا ہوا گاؤں تھا ساری دنیا کے مقابلہ میں لڑائی شروع کر دی اور پھر وہ بڑھا اور بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ پہلے وہ ایک تھا مگر آج کئی لاکھ آدمی اس کے ساتھ ہیں۔ پس اٹلی اور جرمنی اور جاپان نے پچاس فیصدی ترقی کی لیکن یہاں ایک سے کئی لاکھ بن گئے۔ اب پچاس فیصدی اور لاکھ فیصدی میں بھلا کوئی نسبت ہے؟ پھر جس جس میدان میں قربانی کی ضرورت تھی ان تمام میدانوں میں جماعت احمدیہ نے قربانی کی۔ پس ہماری جماعت نے بھی حیرت انگیز ترقی کی ہے لیکن چونکہ ہماری جدوجہد کا دائرہ بہت وسیع ہے اس لئے گو ہماری موجودہ کامیابی بھی بہت بڑی ہے مگر ہمارا اصل مقصد ابھی دور ہے اور گو وہ دیر میں آنے والا ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے مقابلہ میں تمام دنیا کی

فتوحات بھی ہیچ ہیں کیونکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کا حلقہ اثر عالمگیر ہے۔
چوتھا سبق رمضان سے ہمیں یہ حاصل ہوتا ہے کہ کوئی بڑی کامیابی بغیر دعا کے حاصل نہیں ہوسکتی بِالخصوص دین میں تو کوئی کامیابی اُس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک دعا نہ کی جائے دُنیا بغیر دعا کے حاصل ہو جائے تو ہو جائے دین حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دُنیوی کامیابیوں کے لئے بھی عملی دعا ضروری ہوتی ہے جسے دوسرے لفظوں میں قوتِ ارادی کہتے ہیں۔قوتِ ارادی اور عزم دراصل دعا ہی کا ایک نام ہے۔ دعا کیا ہے؟ اپنے عزم اور ارادہ کا لفظوں میں اظہار۔ بہرحال کوئی دینی جماعت بغیر دعا کے ترقی نہیں کرسکتی یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں روزوں کے احکام کے ذکر میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ[8] جب مؤمن روزے رکھیں، قربانیاں کریں اور استقلال سے قربانیاں کرتے چلے جائیں اور اس کے بعد دعاؤں سے کام لیں تو وہ دعا خالی نہیں جاتی بلکہ ضرور ان کو ان کے مقاصد میں کامیاب کرتی ہے مگر فرمایا جب استقلال اور قربانیوں کے بعد دعا کریں گے تب ان کی دعا سُنی جائے گی یونہی نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے استقلال، قربانیوں اور دعا کو لازم وملزوم قرار دیا ہے بغیر دعا کے استقلال کے ساتھ قربانی کرنا دینی عالَم میں ہیچ ہے اور بغیر استقلال والی قربانیوں کے دعا انسان کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی۔ وہ فرماتا ہے اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ جو اس رنگ میں دعا کرنے والے ہوں میں ان کی دعاؤں کو سنا کرتا ہوں یعنی جو استقلال کے ساتھ قربانیاں کریں اور پھر کرتے چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی کامیابی کیلئے دعائیں بھی کریں ان کی دعا ضرور قبول ہو کر رہتی ہے۔ بعض لوگ غلطی سے اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر پکارنے والے کی پکار کو سُنتا ہے اور وہ حیران ہوتے ہیں کہ جب خدا کا یہ وعدہ ہے تو پھر ان کی بعض دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں مگر یہ استدلال درست نہیں۔ اس جگہ تمام دعاؤں کی قبولیت کا اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ نہیں کیا بلکہ فرمایا ہے اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ میں اس دعا کرنے والے کی دعا کو سُنتا ہوں جس کا ذکر اوپر ہؤا ہے۔ اور اس سے پہلے رمضان اور روزوں کا ذکر ہے جو استقلال سے خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانیاں کرنے کا سبق دیتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر ان شرائط کو

ملحوظ رکھتے ہوئے جن کا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کوئی شخص دعا کرے تو اس کی دعا ضرور قبول ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی مجھے مقدس سے مقدس مقام میں بھی کھڑا کر دے تو میں وہاں کھڑا ہو کر یہ قسم کھانے کے لئے تیار ہوں کہ اس قسم کی دعا ہرگز ردّ نہیں ہوتی۔ کوئی قوم جو خدا تعالیٰ کے لئے مستقل قربانیاں کرنے کے ارادہ سے کھڑی ہو جائے اور پھر قربانیاں کرتی چلی جائے اور دعا سے بھی کام لے وہ ضرور کامیاب ہو جاتی ہے۔ سابق انبیاء علیھم السلام کی جماعت کا نمونہ ہمارے سامنے ہے کیا دنیا میں کوئی بھی نبی ایسا گزرا ہے جو ناکام ہؤا ہو؟ تاریخ سے کوئی ایک نبی ایسا ثابت نہیں کیا جا سکتا جو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہؤا۔ دعویٰ نبوت کے بعد ناکام وہی رہا ہوگا جس نے جھوٹا دعویٰ کیا ہوگا سچا دعویٰ کرنے والا کبھی ناکام نہیں ہؤا۔ یہ الگ امر ہے کہ کامیابی جلد آئے یا دیر سے۔ بہرحال سچے نبی کو کامیابی ہوتی ضرور ہے اور پھر وہ بڑھتی چلی جاتی ہے اور ان کا ہر قدم ترقی کی طرف اٹھتا ہے۔ تم نے دیکھا کہ گزشتہ سالوں میں جماعت پر کیسے کیسے فتنے آئے۔ ہر دفعہ لوگوں نے یہی سمجھا کہ اب یہ سلسلہ مٹ جائے گا مگر ہر دفعہ تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ کی معجزانہ رنگ میں حفاظت کی اور کوئی دن ایسا نہیں چڑھا جس میں پہلے سے زیادہ جماعت نے ترقی نہیں کی۔ مختلف ممالک میں احمدیت پھیلتی جارہی ہے اور اسی طرح پھیلتی پھیلتی انشاء اللہ ساری دنیا کو ایک دن اِدھر کھینچ لائے گی۔

یہ چوتھا سبق جو رمضان سے حاصل ہوتا ہے اس کا تعلق بھی تحریک جدید کے ساتھ ہے کیونکہ میں نے اُنیسواں مطالبہ یہی رکھا ہے کہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ سلسلہ کو ترقی دے۔ دعا کے بغیر ہماری قربانیوں کے وہ نتائج پیدا نہیں ہو سکتے جو ہم دیکھنے کے خواہش مند ہیں کیونکہ ان نتائج کا پیدا کرنا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ایک ملک جو بارش کا محتاج ہو تم اگر محنت کر کے اس کی زمین میں ہل بھی چلا دو، عمدہ بیج بھی ڈال دو لیکن آسمان سے بارش نہ اُترے تو تمہاری محنت کیا نتیجہ پیدا کر سکتی ہے۔ اسی طرح جس نتیجہ کے ہم امیدوار ہیں وہ آسمانی بارش چاہتا ہے اور وہ آسمانی بارش دعاؤں سے ہی نازل ہو سکتی ہے۔ پس وہ رمضان میں نازل ہو سکتی ہے۔ پس رمضان میں تحریک جدید سے اور تحریک جدید میں رمضان سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ یہ چار بڑی بڑی مناسبتیں رمضان کی تحریک جدید سے ہیں اور یہ چار مناسبتیں

تحریک جدید کی رمضان سے ہیں پس اگر تم رمضان سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو تحریک جدید پر عمل کرو اور اگر تحریک جدید کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہو تو روزوں سے صحیح رنگ میں فائدہ اٹھاؤ۔ تحریک جدید یہی ہے کہ سادہ زندگی بسر کرو اور محنت و مشقت اور قربانی کا اپنے آپ کو عادی بناؤ۔ یہی سبق رمضان تمہیں سکھانے آتا ہے پس جس غرض کے لئے رمضان آیا ہے اس غرض کے حاصل کرنے کی جدوجہد کرو ایسا نہ ہو کہ اپنی زندگی ایسی طرز میں گزاردو کہ رمضان کا آنا نہ آنا تمہارے لئے برابر ہو جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ملک میں روزے خوید کا کام دیتے ہیں جس طرح گھوڑے کو خوید دی جاتی ہے جس سے وہ موٹا ہو جاتا ہے اسی طرح رمضان میں بعض لوگ غذا کا خاص اہتمام رکھتے ہیں۔ رات اور دن گھی اور پراٹھے کھاتے رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روزے رکھ کر وہ پہلے سے بھی موٹے ہو جاتے ہیں۔ یہ طریق دراصل اس روح کے خلاف ہے جس کو پیدا کرنے کے لئے روزے مقرر کئے گئے ہیں۔

پس ہر شخص کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا رمضان تحریک جدید والا ہو اور تحریک جدید رمضان والی ہو۔ رمضان ہمارے نفس کو مارنے والا ہو اور تحریک جدید ہماری روح کو تازگی بخشنے والی ہو۔ پس جب مَیں نے کہا ہے کہ رمضان سے فائدہ اٹھاؤ تو دراصل مَیں نے تمہیں یہ سمجھایا ہے کہ تم تحریک جدید کے اغراض اور مقاصد کو رمضان کی روشنی میں سمجھو اور جب میں نے کہا کہ تحریک جدید کی طرف توجہ کرو تو دوسرے لفظوں میں مَیں نے تمہیں یہ کہا ہے کہ تم ہر حالت میں رمضان کی کیفیت اپنے اوپر وارد رکھو اور صحیح قربانی اور مسلسل قربانی کی اپنے اندر عادت ڈالو جو رمضان بغیر سچی قربانی کے گزر جاتا ہے وہ رمضان نہیں اور جو تحریک جدید بغیر روح کی تازگی کے گزر جاتی ہے وہ تحریک جدید نہیں۔

اگر کوئی شخص سالہا سال سے قربانیاں کر رہا ہے مگر اس کے اندر بشاشتِ ایمانی پیدا نہیں ہوتی تو اس کو اس کی قربانیوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ وہ محض سر پھوڑنے والی بات ہے اور کچھ نہیں۔ اب پھر وہ وقت آ گیا ہے جبکہ تحریک جدید کے پانچویں سال کی مجھے تحریک کرنی چاہئے مگر اِس وقت میں صرف اصولی رنگ میں اس طرف توجہ دلا دیتا ہوں۔ آج میں نے چاہا کہ

تمہیں تحریک جدید کے اصول کی طرف توجہ دلا دوں اور بتا دوں کہ بغیر ان اصول کو اختیار کئے وہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے جن فوائد کو حاصل کرنے کے لئے ہم کھڑے ہوئے ہیں۔ دراصل جب تک انسان کسی امر کی حکمت سے واقف نہیں ہوتا اُس وقت تک باوجود اس کے کہ اس کا کام اچھا ہو، اچھے نتائج پیدا نہیں ہوا کرتے۔ اب نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سب کام اچھے ہیں اور سب مؤمن ان احکام کو بجا لاتے ہیں مگر سارے یکساں فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ساروں کی نمازیں وہ نتیجہ پیدا نہیں کرتیں جو نمازوں سے مقصود ہے، نہ ساروں کے روزے وہ نتیجہ پیدا کرتے ہیں جو روزوں کا مقصود ہے اور نہ ساروں کی زکوٰتیں وہ نتیجہ پیدا کرتی ہیں جو زکوٰۃ کا مقصد ہے۔ بعض لوگ بہت زیادہ چندہ دیتے ہیں مگر نتیجہ بہت کم نکلتا ہے اور بعض لوگ تھوڑا چندہ دیتے ہیں مگر نتیجہ بہت زیادہ نکلتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ مسجد میں بعض لوگوں کی آواز سُنی کہ ابوبکرؓ کو ہم پر کونسی زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ جیسے نیکی کے کام وہ کرتے ہیں اُسی طرح نیکی کے کام ہم کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا اے لوگو! ابوبکرؓ کو فضیلت نماز اور روزوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اُس نیکی کی وجہ سے ہے جو اس کے دل میں ہے۔ پس نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی بظاہر ایک ہی شکل ہے اور جس طرح ایک شخص ان احکام پر عمل کرتا ہے اُسی طرح دوسرا عمل کرتا ہے مگر پیچھے جو محبت ہوتی ہے وہ نتائج کو بدل کر کہیں کا کہیں لے جاتی ہے۔ اسی طرح نماز، روزہ کا فائدہ ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق اٹھاتا ہے۔ ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور اسے نماز کا بدلہ بھی مل جاتا ہے لیکن اگر اس کے دل کا ظرف چھوٹا ہے تو جتنا نور اس کے دل میں سما سکتا ہے اُتنا سما جائے گا اور باقی بہہ کر ضائع ہو جائے گا جیسے اگر کوئی ساقی دودھ تقسیم کر رہا ہو اور اس کے ہاتھ میں ایک گلاس ہو جس کے مطابق اس نے سب کو یکساں دودھ دینا ہو تو وہ شخص جس کے پاس بڑا کٹورا ہوگا وہ تمام دودھ کٹورے میں ڈلوا لے گا اور پھر بھی اس کا کٹورا کچھ خالی رہے گا۔ دوسرے کے پاس فرض کرو اتنا ہی پیالہ ہے جتنے میں گلاس بھر دودھ آسکتا ہے تو جب وہ دودھ پیالہ میں ڈلوالے گا تو گو اس کا پیالہ بھر جائے گا مگر اور دودھ کے لئے اس کے پاس کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس تین چوتھائی جگہ ہوگی تو ۳/۴ حصہ تو پڑ جائے گا مگر باقی چوتھائی اِدھر اُدھر کناروں سے بہہ جائے گا۔

اوراگرکسی کے پاس نصف گلاس دودھ کی گنجائش ہے تو نصف گلاس دودھ لے لے گا اور باقی دودھ زمین پرگر جائے گا۔اوراگرکسی کے پاس بہت ہی چھوٹی کٹوری ہےتو اس میں چند گھونٹ دودھ پڑ جائے گا اور باقی ضائع ہو جائے گا۔اسی طرح بے شک نماز یکساں فائدہ لاتی ہے،روزہ یکساں فائدہ لاتا ہے،حج اورزکوٰۃ یکساں فائدہ لاتے ہیں لیکن اگرکسی کا ظرف چھوٹا ہواوردل ان انوارکوسمیٹ نہ سکے جونماز روزہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُترتے ہیں تو وہ ضائع چلے جائیں گے۔تو اللہ تعالیٰ کے انعامات کا حصول بھی ظرف کے مطابق ہوتا ہے جتنا ظرف کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتا ہے اُتنی چیز اس کے ظرف میں پڑ جاتی ہے اور جو زائد ہوتی ہے وہ بہہ جاتی ہے۔ یہ ظرف کی وسعت اور تنگی کی حکمت کو سمجھنے اور جڑ کو پکڑنے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ جیسے جیسے انسان احکام کی حکمت سمجھتا جاتا ہے اس کے دل کا پیالہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور جتنا جتنا وہ احکام کی جڑ کو پکڑتا ہے اتنا ہی اس کے پیالہ میں مضبوطی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے گویا پیالے کی وسعت حکمت کو سمجھنے اوراس کی مضبوطی جڑ کو پکڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔حکمت کے سمجھنے سے ظرف وسیع ہوتا ہے اور جڑ کے پکڑنے سے اس میں دوام اوراستقلال پیدا ہو جاتا ہے۔ جو لوگ احکام کی جڑ کو پکڑ لیتے اور حکمت کو سمجھ لیتے ہیں ان کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ واعظوں کے وعظ سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔انہیں ضرورت نہیں ہوتی کہ واعظ آئیں اورانہیں جگائیں یا حادثات آئیں تو انہیں بیدار کریں وہ بغیر واعظوں کے جگانے کے خود ہی ہوشیار ہوتے ہیں اور بغیر حادثات کے بیدار کرنے کے خود ہی بیدار ہوتے ہیں۔تو حکمتوں کو جاننا اور جڑ کو پکڑنا کامیابی کیلئے نہایت ضروری ہوتا ہے۔جب تک انسان کسی کام کی حکمت نہیں سمجھتا اس کے دل میں بشاشت پیدا نہیں ہوتی اور جب تک بشاشت پیدا نہیں ہوتی اُس وقت تک انسان اللہ تعالیٰ کے انوار کو جذب نہیں کرسکتا۔

بشاشت دراصل بھوک کا نام ہے اب اگرکسی کا معدہ ضعیف ہواوراس کے سامنے بہت سا کھانا رکھا ہوُا ہوتو چونکہ اس کے اندر کھانے کے لئے بشاشت نہیں ہوگی اس لئے خواہ اس کے سامنے دو چار سیر کھانا پڑا ہوُا ہو جب کھانے لگے گا تو چند لقمے کھا کر ہاتھ کھینچ لے گا لیکن ایک دوسرا شخص جسے بھوک لگی ہوئی ہواس کے سامنے خواہ تھوڑا ہی کھانا پڑا ہوُا ہو سب کھانا اس کے

پیٹ میں چلا جائے گا۔ اگر پاؤ پڑا ہوًا ہوگا تو پاؤ ہی کھا جائے گا اور اگر ڈیڑھ پاؤ پڑا ہوگا تو ڈیڑھ پاؤ کھا جائے گا لیکن دوسرے شخص کے سامنے اگر دو سیر بھی کھانا پڑا ہوًا ہوگا تو وہ چند لقموں سے زیادہ کھانا نہیں کھا سکے گا۔ اگر زیادہ کھائے گا تو اسے قَے آجائے گی اور پہلا کھانا بھی اس کے اندر سے نکل جائے گا۔ تو حکمتوں کے جاننے کے ساتھ بشاشت اور رغبت پیدا ہوتی اور اس طرح روحانی لحاظ سے ایسی بھوک پیدا ہو جاتی ہے جس سے معنوی طور پر انسان کا ظرف بڑا ہو جاتا ہے۔ جس طرح انسان کو جتنی زیادہ بھوک لگتی چلی جاتی ہے اُتنا ہی اُس کا معدہ بڑھتا چلا جاتا ہے اِسی طرح جن لوگوں کے اندر بشاشتِ ایمانی پیدا ہو جاتی ہے اُن کا دل وسیع ہو جاتا ہے اور اس میں ربڑ کی سی لچک پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جتنا زیادہ اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقام ملتا جاتا ہے اُتنا زیادہ اُس کا دل پھیلتا چلا جاتا اور اللہ تعالیٰ کے انوار کو جذب کرتا چلا جاتا ہے۔ اور جڑ کو پکڑ لینا ایسا ہی ہے جیسے کسی تھیلی میں کوئی چیز ڈال کر اوپر سے تسمہ باندھ لیا جائے۔ اس طرح نیکی میں دوام پیدا ہو جاتا ہے اور اِس دوام کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے ساتھ انسان ایسا تعلق پیدا کر لیتا ہے کہ پھر اس کا قدم کبھی لڑکھڑاتا نہیں۔

پس ہمارے لئے ضروری ہے کہ جب ہم دین کی طرف توجہ کریں تو ان مسئلوں کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ جب تک بشاشتِ ایمانی ہمیں حاصل نہیں اور جب تک ہم احکام کی جڑ کو نہیں پکڑتے اُس وقت تک نہ نیکیوں میں دوام پیدا ہوسکتا ہے اور نہ قربانیوں کے نیک نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ بیشک کچھ فضل ضرور نازل ہوں گے مگر وہ اتنے اہم نہیں ہونگے کیونکہ خدا تعالیٰ تو انعامات دے گا لیکن ظرف چھوٹا ہوگا اور اس وجہ سے انعامات سے انسان پوری طرح فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ جیسے اگر کوئی میزبان مہمان کے سامنے کھانا رکھے تو اب یہ مہمان کا کام ہے کہ وہ کھانا کھائے لیکن اگر اسے پیٹ درد شروع ہو جائے یا متلی ہو جائے تو وہ کس طرح کھا سکتا ہے۔ پس بے شک جب ہم نمازیں پڑھتے ہیں، جب ہم روزے رکھتے ہیں، جب ہم زکوٰتیں دیتے ہیں، جب ہم توفیق ملنے پر حج کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے فضل بھی نازل ہوتے ہیں مگر چونکہ دل چھوٹا ہوتا ہے اس لئے وہ فضل اِدھر اُدھر بہہ جاتے ہیں یعنی اور لوگ اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں مگر ہمارے اپنے نفس فائدہ اٹھانے سے محروم رہتے ہیں لیکن جب

ہمارے اندر بشاشت ہو تو ہمارا ظرف وسیع ہونا شروع ہو جاتا ہے اور پھر جس قدر فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے چلے جاتے ہیں ان تمام فضلوں کو ہمارا دل جذب کرتا چلا جاتا ہے بلکہ وہ زیادہ سے زیادہ فضلوں کا اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کرنے لگ جاتا ہے اور کہتا ہے خدایا! مجھے اَور دے اور جب خدا تعالیٰ اَور فضل نازل کرتا ہے تو وہ اس کو بھی سمیٹ لیتا ہے اور کہتا ہے خدایا! اور دے۔ اور چونکہ وہ احکام کی حکمتوں کو ساتھ ساتھ سمجھتا جاتا ہے اس لئے اس کا دل وسیع ہوتا چلا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے تمام فضلوں کو سمیٹ لیتا ہے۔ گویا جس شخص کے اندر بشاشتِ ایمانی نہیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل ایسے ہی ہیں جیسے اِمتلاء کے مریض کے منہ میں روٹی ڈال دی جائے اور اسے قے ہو جائے لیکن جس شخص کے دل میں بشاشتِ ایمانی موجود ہے اس کے لئے خدا تعالیٰ کے فضل ایسے ہی ہیں جیسے ہائیڈروکلورک ایسڈ ڈل کی ایک ڈوز یا چُورن کی ایک چُٹکی۔ اب چُورن کی چُٹکی بھوک بڑھایا کرتی ہے گھٹایا نہیں کرتی۔ اسی طرح جس شخص کے دل میں بشاشت ہوتی ہے اُس کے اعمال اُس کے لئے چورن بنتے چلے جاتے ہیں مگر جس شخص کے دل میں بشاشت نہیں ہوتی اُس پر خدا تعالیٰ کے فضل ایسے ہی آتے ہیں جیسے امتلاء کے مریض کو کوئی شخص روٹی دے دے ایسے مریض کی روٹی کے کھانے سے بھوک بڑھتی نہیں بلکہ مَتلی ہو جاتی اور پہلا کھایا پیا بھی باہر آ جاتا ہے۔ پس اپنے اندر بشاشتِ ایمانی پیدا کرو اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور اس کے انعامات کو اپنے دلوں میں زیادہ سے زیادہ جذب کرنے کے لئے تیار رہو۔ اگر تم دیکھتے ہو کہ تم نے پچھلے سال قربانیاں بھی کیں، تم نے نمازیں بھی پڑھیں، تم نے روزے بھی رکھے، تم نے چندے بھی دیئے، تم نے حج بھی کیا، تم نے زکوٰۃ بھی دی لیکن باوجود ان تمام نیکیوں کے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا تو یقیناً تمہیں امتلاء کی تکلیف ہے اور تم میں بشاشتِ ایمانی نہیں تبھی تمہارا دل سُکڑ جاتا ہے اور اسی کے سُکڑنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی رحمت اپنے کمال کے ساتھ تم پر نازل نہیں ہوتی اور جو نازل ہوتی ہے وہ تمہارے انگ نہیں لگتی۔ لیکن اگر تمہارے اندر بشاشتِ ایمانی پیدا ہو جائے تو پھر جتنی زیادہ بشاشت ہوتی چلی جائے گی اتنا ہی تمہارا دل وسیع ہوتا چلا جائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فضل نازل ہونگے وہ تمہارے انگ بھی لگیں گے اور تمہیں اپنی نیکیوں کا صریح فائدہ بھی دکھائی دینے لگ جائے گا۔

چونکہ اب تین بج چکے ہیں اس لئے میں خطبہ کو اسی پر ختم کرتا ہوں۔ اس مضمون کا کچھ حصہ ابھی باقی ہے جو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اگلے جمعہ میں بیان کر دوں گا مگر اِس وقت میں دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہم لوگوں نے گزشتہ سالوں میں بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں لیکن چونکہ ابھی ہماری جدو جہد کا زمانہ ختم نہیں ہؤا اس لئے ان قربانیوں کے بعد ہماری حالت اُس عورت کی طرح نہیں ہونی چاہئے جس کے متعلق قرآن کریم میں ذکر آتا ہے کہ وہ سُوت کاتتی اور پھر اسے اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی کہ نہ ان ٹکڑوں کا اسے خود کوئی فائدہ ہوتا اور نہ دوسرے لوگ ان سے کسی قسم کا فائدہ اٹھا سکتے۔

اور ہمیں اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کرنی چاہئے کہ ہماری گزشتہ قربانیاں ہمارے لئے سُستی کا موجب نہ ہوں بلکہ زیادہ چُستی اور زیادہ بیداری پیدا کرنے کا موجب ہوں تا پچھلی قربانیوں کے نتائج سے بھی ہم فائدہ اُٹھاسکیں اور آئندہ کی برکات بھی ہمیں حاصل ہوں۔ آمین۔''

(الفضل ۱۱؍نومبر ۱۹۳۸ء)

---

۱ البقرۃ:۱۸۶

۲ بخاری کتاب فضائل القرآن باب کانَ جِبْرِیْلُ یَعْرِضُ الْقُرآنَ (الخ)

۳ البقرۃ:۱۸۷ ۴ اٰل عمران:۱۰۴

۵ بخاری کتاب الصوم باب مَنْ لَّمْ یَدَعْ قولَ الزور (الخ)

۶ ابن ماجہ کتاب الزھد باب المُدَاوَمَۃُ عَلَی الْعَمَلِ

۷ البقرۃ:۱۸۴ ۸ البقرۃ:۱۸۷